ڈاکٹر محمد اکرم چودھری کی قرآن فہمی

ڈاکٹر خالد ندیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چودھری ایک ماہر تعلیم اور عربی زبان کے عالم کی حیثیت سے معروف ہیں اور ان دِنوں سرگودھا یونی ورسٹی میں وائس چانسلر کی حیثیت سے انتظامی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر چودھری گلاسکو (پی ایچ ڈی عربی لسانیات)، ہلکسن (پوسٹ ڈاکٹورل) اور ٹوسان (فل برائٹ پوسٹ ڈاکٹریٹ) سے تعلیم یافتہ ہیں۔ اس سے قبل ان کی دو گراں قدر تحقیقات Linguistic/Semantic Study of the Holy Quran اور A Thesaurus of Assumed Synonyms in Aribic اہل علم سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں اسلامک پبلی کیشنز لاہور کی جانب سے ۱۲۸ر صفحات پر مشتمل ان کی ایک اَور تصنیف بعنوان قرآنِ کریم: ایک مسلسل معجزہ منصۂ شہود پر آئی ہے۔

ڈاکٹر چودھری نے اپنے موضوع کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب 'بے مثل زبان و بیان' میں انھوں نے قرآن کے اس وصف پر بحث کی ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے، جو بہت زیادہ پڑھی جاتی ہو اور جو زبان پر چڑھ جاتی ہو۔ مصنف نے دیگر مصدقہ و غیر مصدقہ الہامی کتب کے مقابلے میں دنیا میں قرآن کے حفاظ، جن میں محض دس دس برس کے بچے بھی شامل ہیں، کی ایک بڑی تعداد کی طرف توجہ دِلائی ہے۔ مکانی و زمانی فاصلوں کے باعث زبانوں میں رونما ہونے والے تغیرات کا ذکر کرتے ہوئے، مصنف نے مکہ میں منعقدہ اُن تجارتی میلوں کا حوالہ دیا ہے، جس میں جزیرہ نما عرب کے کونے کونے سے آنے والے تجار کے علاوہ افریقہ، یورپ، ایران، ہندوستان اور چین کے سوداگر بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ ان سرگرمیوں سے ایک طرف عربوں کے مختلف لہجوں اور الفاظ کو ایک جگہ جمع ہونے اور لین دین کا موقع ملتا تھا تو دوسری جانب یونانی، لاطینی، ہندی اور فارسی کے بعض الفاظ معرب صورت اختیار کرتے جاتے تھے، چنانچہ قرآنِ کریم کا متن اُترنے سے پہلے عرب قبائل اور شعرا و خطبا میں مشترکہ عربی زبان (The Common Arabic Language) رواج پا چکی تھی۔ ڈاکٹر چودھری نے قرآن کریم کو اسی مشترکہ عربی زبان کا حامل قرار دیا ہے، جو عرب کے تمام لہجوں کے جملہ محاسن کا مجموعہ ہے۔ مصنف نے عبداللہ بن عباس کی اللغات فی القرآن سے اپنے بیان کو تقویت بخشی ہے، جس کے مطابق ۲۶۵ر قرآنی الفاظ میں سے ۱۰۴ر الفاظ قبیلہ قریش، جب کہ ۱۶۱ر الفاظ کا تعلق دیگر ۲۷ر عرب

قبائل سے ہے۔ اس موقع پر ڈاکٹر چودھری نے بعض دلچسپ واقعات بھی پیش کیے ہیں، جن کی رُو سے آنحضورؐ نہ صرف مختلف قبائل کے لب و لہجے سے شناسا تھے، بلکہ ان لہجوں میں گفتگو پر بھی قادر تھے۔ مصنف نے مختلف اقوام کی نفسیات، ماحول اور مزاج کے اعتبار سے انبیا کو عطا ہونے والے معجزات کے پس منظر میں عربوں کی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کی قدر دانی اور قرآنی معجزے کا جائزہ لیا ہے۔ سورۂ کوثر کے جواب میں ناکامی، عمر بن خطاب اور شاہ نجاشی پر آیاتِ قرآنی کے اثرات، ابوجہل، ابوسفیان، عتبہ اور شیبہ جیسے مخالفینِ قرآن کا راتوں کی تاریکی میں چپکے چپکے حضورؐ کی زبانِ مقدس سے قرآن سننے جانا اس کا بین ثبوت ہیں۔ حضورؐ کے وصال کے بعد مدعیانِ نبوت کی ناپاک جسارتوں اور ۱۹۷۲ء میں مصر کے دارالمعارف کی طرف سے قرآن کی طرز پر انجیل کے عربی ترجمے الانجیل للقدیس متیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر چودھری نے ثابت کیا ہے کہ قرآن کی اس شان کے منکر ہمیشہ ہی منہ کی کھاتے رہے ہیں۔ سنسکرت، لاطینی اور یونانی جیسی معدوم و متروک اور انگریزی اردو جیسی موجودہ زبانوں پر رونما ہونے والے بتدریج اثرات کا جائزہ لینے کے بعد مصنف اس امر کو قرآن کا اعجاز قرار دیتے ہیں کہ عربی زبان آج تک اسی طرح تر و تازہ ہے، جیسے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے تھی۔ مصنف مستشرقین کی ان ناکام کوششوں کا پردہ چاک کرتے ہیں، جن کے ذریعے وہ بائیس چھوٹے بڑے عرب ممالک میں علاقائی لہجوں کے فروغ اور شناخت کے لیے کرتے رہے ہیں۔

دوسرے باب 'قرآنِ کریم اور دیگر صحف سماویہ' میں مصنف نے قدیم ترین وحی کے حوالے سے بحیرۂ مردار کے قریب واقع غاروں سے برآمدہ مخطوطات میں سے حضرت ادریس سے منسوب چند سطروں اور عراق کے قبیلہ سعدیات میں حضرت نوح سے منسوب چند جملوں کا ذکر کیا ہے۔ غیر مصدقہ الہامی کتب میں زردشت کی آوستا، ہندوؤں کی ویدا اور پران اور الہامی کتب میں توریت، زبور اور انجیل کی ابتدائی صورتوں، جمع و تدوین، تحریف، مختلف زمانوں میں ان کی بدلتی ہوئی عبارتوں اور ترجمہ در ترجمہ کے باعث ترمیمات و اضافات کے تفصیلی جائزے کے بعد مصنف زمانۂ وحی میں قرآن کی کتابت، نبی کریمؐ کی جانب سے تصحیح، صحابہ کرامؓ کی طرف سے قرآن کا حفظ اور نمازوں میں اس کی تلاوت؛ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں حضرت زیدؓ بن ثابت کی زیرِ نگرانی قرآنی آیات کی جمع و تدوین اور خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے دَور میں مختلف لہجوں کے بجائے صرف حضورؐ کے لہجے کے مطابق قرآن کے قلمی نسخوں کی تیاری، اسلامی سلطنت میں ان کی ترویج اور قرأت کو رواج کو پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر چودھری نے استنبول، لندن، تاشقند اور کابل میں مصحف عثمانی کے چار قلمی نسخوں کی موجودگی کی اطلاع دی ہے۔ انھوں نے یہ دلچسپ واقعہ بھی قلم بند کیا ہے کہ حفاظتِ قرآن کے مسلم نظریے کو غلط ثابت کرنے کی غرض سے ۱۹۳۳ء میں میونخ یونی ورسٹی میں چودہ صدیوں پر محیط قرآن کے تقریباً بیالیس ہزار نسخوں کا باہم موازنہ کیا گیا، لیکن وہ لوگ قرآنی متن کا ایک اختلاف بھی سامنے نہ لا سکے۔

کتاب کا تیسرا باب 'اسلوبِ قرآن اور قرآن فہمی' میں مصنف نے سورۂ ابراہیم ۱۴:۴، سورۂ یوسف ۱۲:۲، سورۂ شعرا ۲۶:۱۹۵، اور سورۂ قمر ۵۴:۴۰ کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کو آسان عربی میں نازل کیا گیا، تاکہ اس سے نصیحت حاصل کی جاسکے۔ ڈاکٹر چودھری نے قرآن کے اسلوب کو اس حد تک ناقابلِ تقلید قرار دیا ہے کہ اثنائے حدیث میں اگر قرآنِ کریم کی کوئی آیت آجائے تو اس کی انفرادیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ مصنف کے خیال میں، قرآن کا دوسرا وصف یہ ہے کہ آج تک کوئی اس کی زبان یا اسلوب کو قدیم نہیں کہہ سکا۔ اس کی وجہ انھوں نے عربی زبان، عربی انشا پردازی اور اسلوب کے جملہ قوانین کا قرآن سے مستعار ہونا قرار دیا ہے، چنانچہ جب بھی کسی عربی لفظ کے استعمال میں قرآنی اصولوں سے انحراف کیا گیا، اہلِ زبان نے فوراً گرفت کی۔ اس سلسلے میں مصنف نے لغوی اصلاح کی تحریک کے علاوہ حافظ جاحظ، محمد رضا حمادی اور امیل یعقوب کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر چودھری نے قرآنی اسلوب کا ایک خاصہ یہ بیان کیا ہے کہ کوئی غیر عربی لفظ قرآنی اوزان کو اختیار کیے بغیر عربی زبان کا حصہ نہیں بن سکتا؛ چنانچہ ان کا یہ کہنا محض جذباتی بات نہیں ہے کہ عربی زبان کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ قرآنِ کریم کے جلو ہی میں چلتی رہے گی۔ قرآنِ کریم کے اسلوب کی عظمت و جامعیت کے سلسلے میں مصنف نے ممتاز عرب ناول نگار طٰہٰ حسین اور عظیم عرب شاعر نزار قبانی کا حوالہ دیا ہے۔ یہ دونوں اگرچہ سیکولر ذہن کے مالک ہیں، لیکن ان کی تحریروں پر قرآنی اسلوب کے گہرے سائے ہیں۔ قرآنی اسلوب کے بارے میں پائی جانے والی ایک غلط فہمی کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر چودھری لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی بظاہر مختلف موضوعات پر یکے بعد دیگرے آنے والی آیات کے درمیان ایک معنوی ربط ہے اور یہ معنوی ربط اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتا، جب تک اس بات کو نہ سمجھ لیا جائے کہ دراصل پوری کی پوری انسانی زندگی کو قرآنِ کریم ایک اکائی تصور کرتا ہے۔ باب کے آخر میں مصنف نے قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت میں اس کا اسلوب پیش کیا ہے، جو مکہ میں نبی کریمؐ کی شدید مشکلات یا مدینہ میں جدوجہد اور پھر کامیابیوں کے دَوران کسی طور متاثر نہیں ہوا، بلکہ ہر قسم کے خارجی اثرات سے پاک اور بالاتر رہا۔

چوتھے باب 'قرآنِ کریم کی حقانیت: ایک مسلسل معجزہ' میں مصنف نے قرآن کے یہ دعوے پیش کیے ہیں کہ کوئی انسان اس جیسا کلام نہیں کہہ سکتا، اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور یہ کہ وہ ہر قسم کے تضادات و تناقضات سے پاک ہے۔ ڈاکٹر چودھری نے ان امور پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور اپنے دلائل کو مثالوں سے روشن کیا ہے۔ کتاب اللہ کو انسانی تصنیف ثابت کرنے میں کوشاں ڈاکٹر ہیَوُڈ (Haywood)، آرتھر جیفری، ڈاکٹر بیل (Bell) اور پروفیسر ٹوری (Torrey) جیسے مستشرقین کی اُن کاوشوں کے تحقیقی و تنقیدی تجزیے کے بعد مصنف بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچے کہ مستشرقین اپنی ان بے سروپا اور سراسر تعصب پر مبنی نگارشات سے قرآن سے متعلق اپنے مقاصد حاصل کرنے میں بالکل

ناکام رہے۔ یہ نہ تو قرآنِ کریم کو انسانی کلام ثابت کر سکے اور نہ ہی اس کی آیات میں کوئی تضاد و تناقض اور کوئی بھی ایسی خامی پیش کر پائے، جسے کوئی غیر جانب دار محقق واقعی خامی یا تضاد قرار دے۔

مصنف نے 'قرآنِ کریم: ایک ذریعہ علم' کے زیرِ عنوان پانچواں باب نبی اکرمؐ کے اس ارشاد کی روشنی میں مرتب کیا ہے کہ 'قرآن کی حیران کن اور محیر العقول باتیں کبھی ختم نہ ہوں گی اور یہ کتاب بار بار پڑھنے اور دہرانے سے انسانی طبیعت کے اندر کبھی اکتاہٹ پیدا نہیں کرے گی'۔ ڈاکٹر محمد اکرم چودھری نے قرآنِ کریم سے متعلق علامہ اقبال کا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔ علامہ نے فزکس، کیمسٹری، بائیولوجی، زوالوجی، باٹنی اور میڈیکل سائنسز کے ماہرین سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنے اپنے علمی میدان کے شاہ سوار ہیں اور یہ تمام علمی حیثیتیں ان کو مبارک ہوں، تاہم اپنے اپنے میدان میں رہتے ہوئے وہ طالب علم بن کر ایک مرتبہ قرآنِ کریم کا مطالعہ ضرور کریں اور پھر اپنے حاصلاتِ مطالعہ سے دنیا کو مطلع کریں۔ اس باب میں مصنف نے سورۂ فاتحہ ۱:۱، سورۂ یونس ۱۰:۹۰، سورۂ نحل ۱۶:۱۶، سورۂ انبیاء ۲۱:۳۰، سورۂ روم ۳۰:۴۸، سورۂ یٰس ۳۶:۳۸ اور سورۂ ۳۹:۶ کی روشنی میں اُن معلومات کی طرف توجہ دلائی ہے، جو آنحضورؐ سے قبل کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں، حتیٰ کہ یونانی، ایرانی اور ہندی وغیرہ ترقی یافتہ تہذیبیں بھی ان سے بے خبر تھیں۔ ڈاکٹر چودھری رقم طراز ہیں کہ مسلمان تو گذشتہ آٹھ سو سال سے سوئے ہوئے ہیں، تحقیق سے انھیں کوئی رغبت نہیں، بس کتابوں کی شرحیں لکھتے ہیں اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلاتے ہیں اور قرآنِ کریم اور اللہ کے نام پر تجارت کرتے ہیں۔ وہ دردمندی سے کہتے ہیں کہ تعلیمی ادارے، بالخصوص نظریاتی اور اسلامی ملکوں کے تعلیمی ادارے اپنا فریضہ اُسی وقت صحیح انداز میں ادا کر پائیں گے، جب وہ قرآنِ کریم کو ذریعہ علم کے طور پر اختیار کریں گے۔ ان کے خیال میں، ایسا کر کے ہم اس معجز کتاب کے بحرِ بیکراں سے چند در چند گوہر ہائے مراد ڈھونڈ لانے میں کامیاب ہوں گے۔

آخری باب 'قرآنِ کریم اور مستشرقین' میں مصنف نے مستشرقین کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے۔ معترضین کا پہلا ہدفِ تنقید حروفِ مقطعات (broken words) ہیں، جنھیں وہ mysterious letters (مشکوک الفاظ) کہتے ہیں۔ ڈاکٹر چودھری نے عرب معاشرے کے پس منظر میں ان کا جواز تلاش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضورؐ کے مخالفین آپؐ پر اور قرآنِ کریم پر ہر طرح کے اعتراضات کیا کرتے تھے، لیکن یہ اعتراض کبھی کسی نے نہیں کیا کہ سورتوں کے شروع میں یہ broken letters کیوں لائے گئے ہیں، اس لیے کہ یہ ان کے معاشرتی مزاج کا حصہ تھے۔ مستشرقین کا دوسرا اعتراض یہ رہا ہے کہ قرآن میں نسخ و کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔ مصنف نے امام دانی سمیت معتبر محققین و مفسرینِ قرآن کی یہ رائے پیش کی ہے کہ مصحف عثمانی کی کتابت میں جتنے انداز اختیار کیے گئے، وہ مختلف قبائل کے فصیح انداز تھے اور جو peculiarities (تفردات) آج کے نسخ سے سو فی صد مطابقت نہیں رکھتیں، اس

کتاب کے شیدائیوں نے ان تفردات کو چودہ سو سال سے اسی طرح محفوظ رکھا ہے، مبادا کوئی آدمی اصلاحِ نسخ کے بہانے کتاب اللہ میں تحریف کا دروازہ کھول دے۔ مستشرقین کو ایک اعتراض ترتیبِ آیات پر ہے، حالانکہ آیات اور سورتوں کو خود آنحضورؐ کی رہنمائی میں ترتیب دیا گیا۔ اس سلسلے میں مصنف نے آرتھر جیفری اور الفونس منگانا کے الزامات کا بدلائل جواب دیا ہے۔ منٹگمری واٹ اور جارج سیل وغیرہم نے قرآنی آیات کے بائبل سے مستعار ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر چودھری نے طوفانِ نوح کی عالمگیریت، انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے اور عورت کو گناہ کا باعث قرار دینے جیسے نظریات کے پیش نظر بائبل اور قرآن کی تعلیمات میں بنیادی فرق کو واضح کیا ہے۔ آرتھر جیفری جیسے مستشرقین قرآنِ کریم میں تضادات اور تناقضات تلاش کرتے رہے ہیں، مصنف نے ان کے تمام اعتراضات کا بڑی تفصیل سے جواب دیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اکرم چودھری نے جہاں مستشرقین کے بہت سے اعتراضات کو دلائل و براہین کے ساتھ مسترد کر دیا ہے، وہیں وہ اس اعجازِ قرآن کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ قرآن کے دشمن لوگوں کو اس سے دُور ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، اس کے خلاف پروپیگنڈا اور سازشیں کرتے ہیں؛ لیکن قرآن اور اس کا پیغام ان کی ان ناپاک کاوشوں سے دَبنے کے بجائے اُور اُبھرتا ہے اور سلیم الفطرت انسان اس کی طرف بے اختیار کھنچے چلے آتے ہیں۔ مصنف نے حالیہ برسوں میں مغربی دنیا میں مطالعہ قرآن اور تبدیلی مذہب کے رجحان کا جائزہ لیتے ہوئے قرآن کی یہ آیت پیش کی ہے کہ 'اور انھوں نے چال چلی (تو) اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے (آلِ عمران ۳:۵۴)

زیرِ نظر کتاب اپنے موضوع پر ایک ایسے اچھوتے موضوع کا احاطہ کرتی ہے، جس پر اس سے قبل کوئی منضبط تحریر منصۂ شہود پر نہیں آئی۔ ایک نئے موضوع پر اس قدر مدلل گفتگو پر مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے کتاب کا اسلوب خالصتاً علمی ہے، لیکن مصنف نے کمال مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے عبارت کو ادق نہیں ہونے دیا، بلکہ علمی شان برقرار رکھتے ہوئے رواں، سادہ اور شگفتہ پیرایۂ اظہار اختیار کیا ہے۔ ابواب بندی میں محقق نے قارئین کے نقطہ نظر سے ایسی ترتیب قائم کی ہے، جس سے قاری کا ذہنی سفر بتدریج آگے بڑھتا جاتا ہے اور وہ بغیر کسی پیچیدگی سے موضوعِ زیرِ بحث پر اپنی گرفت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہاں ام القریٰ یونی ورسٹی مکہ مکرمہ کے صدرِ شعبۂ عربی، پروفیسر ڈاکٹر حسن محمد باجوودہ کے وہ الفاظ دہرانے کو جی چاہتا ہے، جن کے مطابق، قرآنِ کریم اُترا تو بطحا کی وادیوں میں، اسے پڑھا اہلِ مصر نے اور سمجھا برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے۔ ڈاکٹر باوجودہ کے ان الفاظ کے مصداق ڈاکٹر محمد اکرم چودھری نے قرآن فہمی میں نئے امکانات کی طرف اشارہ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ...... [بقول اقبال] ...... یہ مٹی بڑی زرخیز ہے......